نوید والٹر

اقلیتیں اور آزادی کے پچاس سال ۔ ایک جائزہ

پندرہ روزہ "کاتھولک نقیب" لاہور نے ۱۵ تا ۳۰ نومبر اور یکم تا ۱۵ دسمبر ۹۸ء کی دو اشاعتوں میں جناب نوید والٹر کا یہ مضمون شائع کیا ہے جس میں پاکستان میں اقلیتوں کی صورت حال کے بارے میں مسیحی کمیونٹی کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے اور یہ مضمون اس لیے شائع کیا جا رہا ہے تاکہ پاکستان میں این جی اوز اور مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں کے سلسلے میں رائے قائم کرتے ہوئے یہ نقطہ نظر بھی قارئین کے سامنے رہے۔ (ادارہ)

ویسے تو پاکستان میں پنجابی' سندھی' بلوچی اور پٹھان بھی ہیں اور مسلمان' مسیحی' ہندو' سکھ اور پارسی بھی ہیں۔ لیکن یہ ساری پہچانیں ہر کسی کی علاقائی اور مذہبی ہیں۔ لہٰذا قومی پہچان سب کی پاکستان ہی ہے اس لیے تمام صوبوں کے رہنے والے اور تمام علاقائی زبانیں بولنے والے اور تمام مذہبوں کے عقیدت مند پاکستانی اور صرف پاکستانی ہی کہلانے پر فخر کر سکتے ہیں۔ مذہبی اقلیتیں بھی پاکستان میں ایک حقیقت ہیں جن کا تحریک پاکستان' تشکیل پاکستان اور تعمیر پاکستان میں نہایت اہم اور نمایاں کردار ہے۔ لیکن آخر یہاں کی مذہبی اقلیتوں نے آزادی کے پچاس سالوں میں کھویا کیا اور پایا کیا ہے؟

تاریخی حوالے سے دیکھا جائے تو اقلیتوں نے تحریک پاکستان میں شروع دن سے ہی قائد اعظم کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ اس وقت ساتھ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اقلیتیں جانتی تھیں کہ قائد اعظم لبرل اور سیکولر رویوں کے داعی اور متمنی ہیں۔ قائد اعظم نے بھی اقلیتوں کے اس مان کی تصدیق پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں قرآن پاک کی تلاوت سے احتراز سے کر دی۔ یہاں یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ اس پہلی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کی صدارت بھی ایک شیڈولڈ کاسٹ ہندو سر جگندر ناتھ منڈل سے کروائی گئی جنہیں بعد میں وزیر قانون بھی بنایا گیا اور اس کے ساتھ ہی مذہبی اقلیتوں کے لیے ملازمتوں میں پانچ فیصد کوٹہ بھی مختص کیا گیا۔ قائد اعظم کے یہ اقدامات مذہبی اقلیتوں کو ان کے تمام حقوق

دینے کے ارادوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ کیونکہ قائد اعظم کو یاد تھا جب ۱۹۴۲ء میں مسیحی لیڈر دیوان بہادر ایس پی سنگھ نے پنجاب کی طرف سے قائد اعظم کی مکمل حمایت کا اعلان کیا تھا۔ اس میں خصوصاً لدھیانہ، فیروز پور اور جالندھر کی تحصیلوں کے مسیحی شامل تھے اور قائد اعظم کو یہ بھی یاد تھا جب ۱۹۴۶ء میں متحدہ پنجاب قانون ساز اسمبلی میں مسیحیوں کے لیے چار نشستیں مختص تھیں جس کے سپیکر بھی سنگھا صاحب ہی تھے لہٰذا ان چار میں سے تین مسیحیوں نے پاکستان کے حق میں اپنا ووٹ کاسٹ کیا۔ چوتھا ووٹ سر رابرٹ ولیم برطانوی انگریز کا تھا، اس نے کاروباری مفادات کی وجہ سے سنگھا صاحب کا ساتھ نہ دیا لیکن پھر بھی پنجاب اسمبلی ان تین اضافی ووٹوں کی وجہ سے پاکستان کے حق میں فیصلہ دینے کے لیے کامیاب ہوگئی۔ اس میں اقلیتوں کا حصہ واضح اور تاریخی ہے جسے قائد اعظم نے تسلیم کیا تھا۔ لیکن لیاقت علی خان چونکہ یوپی سے ہجرت کر کے آئے تھے اور وہ اس ہجرت کو مذہبی ہجرت کہتے تھے لہٰذا انہوں نے مارچ ۱۹۴۹ء میں مولوی صاحبان اور مہاجروں کے دباؤ میں آکر قرارداد مقاصد کی رو سے "جمہوریہ پاکستان" کو "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں بدل دیا۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قائد اعظم کے بعد جتنے بھی راہ نما آئے، تقریباً سب نے ہی علامہ اقبال کے خوابوں اور قائد اعظم کے تصورات اور نظریات کی غلط تشریح اور تشہیر کی۔ یہی وجہ ہے کہ قائد اعظم کے بعد اقلیتیں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگیں اور قائد اعظم کا وہ عقیدہ کہ "کسی نمائندہ حکومت کی کامیابی کی بہترین کسوٹی یہ ہے کہ اقلیتیں محسوس کریں کہ ان کے ساتھ حق اور انصاف کے ساتھ پیش آیا جا رہا ہے۔" آہستہ آہستہ ماند پڑنے لگا۔ آئینی و قانونی حقوق غضب ہونے لگے۔ تعلیمی اور فنی ادارے قومیائے گئے جو اب تک ہزارہا وعدوں کے باوجود تمام کے تمام واپس نہیں ہوئے۔ جس کی ایک وجہ طلبہ تنظیمیں اور ان کے سیاسی آقاؤں کی خطرناک دھمکیاں بھی ہیں جن کے آگے اس معاملے میں حکومتیں بھی بے بس رہی ہیں۔ اس کی ایک مثال ایف سی کالج لاہور ہے۔ اسی طرح دوہرا ووٹ جو اقلیتوں کا آئینی حق ہے، ابھی تک بحال نہیں ہوا۔

۲۹۵ سی اور ۲۹۵ بی جیسے قوانین جو کسی کے لیے بھی اچھا شگون نہیں، ابھی تک ویسے ہی ہیں۔ تنسیخ نکاح کا قانون جس کے مطابق اگر کوئی مسیحی شادی شدہ عورت کسی مسلمان مرد سے شادی کر لیتی ہے تو اس کا مسیحی نکاح خود بخود ٹوٹ جاتا ہے، یہ مسیحی نکاح کے تقدس کی بے حرمتی ہے۔ گاہے بگاہے امن پسند اقلیتوں کو بھی مذہبی دہشت گردی کا بے جا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے جس میں کراچی میں فادر سپرین اور سسٹر سو سمیت کئی نعمت احمروں کا

خون ابھی تک کوئی مسیحی نہیں بھول سکا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جنگ عراق اور امریکہ اور سعودیہ کی ہو اور غصہ یہاں کے چرچوں اور مندروں پر نکالا جائے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی سانحہ شانتی نگر ہے جہاں ۵ اور ۶ فروری کی رات قیامت کا سماں دیکھنے کو ملا اور محض غلط فہمی کی بنا پر ۱۳ گرجا گھروں کو بمعہ مقدس کتابوں اور مقدس ظروف کے تعصب کی آگ کی بھینٹ چڑھا دیا گیا' خوب لوٹ کھسوٹ ہوئی۔ مقامی انتظامیہ کے مطابق چالیس سے پچاس ہزار افراد ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھے۔ اس نوعیت کی دہشت گردی کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ بندہ ان سے پوچھے کہ آخر یہ اتنی بھرپور تیاری کے ساتھ کون سا قلعہ فتح کرنے آئے تھے؟ کیا شانتی نگر پاکستان کا حصہ نہیں تھا؟ کیا وہاں پر کسی سلمان رشدی یا تسلیمہ نسرین نے پناہ لے رکھی تھی؟ اگر نہیں تو دنیائے عالم میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے ملک کو کیوں تماشا بنایا گیا؟ اور اس واقعے کی کتنے سیاست دانوں نے مذمت کی؟ کتنے قلم کاروں' صحافیوں اور دانشوروں نے اس واقعہ کے خلاف لکھا؟ اس شام پی ٹی وی نے یہ خبر نشر کی کہ "گستاخی رسول کے مرتکب افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے" جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ واقعی ان لوگوں نے ایسی گستاخی کی ہوگی۔ حالانکہ یہ بات سرے سے ہی غلط تھی جو اب ثابت شدہ ہے۔ انہیں کڑی سے کڑی سزائیں کیوں نہیں ملیں جنہوں نے یہ دہشت گردی کی؟ ہمارے ملک میں ہمیشہ سے یہی ہوتا آرہا ہے کہ امیر کے لیے ناجائز بھی جائز اور غریب کے لیے جائز بھی ناجائز۔ آخر کب تک سسٹم میں دوہرا معیار چلتا رہے گا۔ ایک' دو فیصد مراعات یافتہ طبقہ ہے اور دوسرا ۹۸ فیصد محکوم' مظلوم اور محروم طبقہ جس میں مسیحی غریب عوام کی حیثیت سے مسلم غریب عوام کے مقابلے میں بھی دوسرے درجے کی ہے۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں عورت کی گواہی آدھی ہے' وہاں ایک عورت نے وزیر اعظم بن کر اپنی آدھی گواہی کو پوری گواہی میں بدل دیا ہے۔ لیکن ابھی تک ملک کی دوسری تمام عورتوں کی گواہی آدھی ہی ہے۔ ان کے مقابلے میں مسیحی عورت کی گواہی آدھی سے بھی آدھی ہے۔ یعنی آئینی وقانونی پیمائش میں دو مسیحی عورتیں ایک مسلمان عورت کے برابر ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے کہ ایک ہی ملک میں جاگیردار' وڈیرے' سرمایہ دار اور مراعات یافتہ ۲ فیصد تو آئین وقانون سے ماورا تصور ہوں جب کہ ۹۸ فیصد عوام غلام بن کر جئیں۔ اس سے ہی ہر ذی شعور پاکستانی موازنہ کر کے اقلیتوں کے احساس محرومی کو عین فطری تصور کر سکتا ہے۔ ہمارے آئین وقانون میں اس لحاظ سے بھی تضاد ہے کہ کوئی پاکستانی مسیحی ملک کا وزیر اعظم تو بن سکتا ہے لیکن حلف اٹھاتے وقت مجبوراً" مسلمان

ہونا پڑے گا۔ آئین وقانون اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان کے ذریعے عوام کو ان کے حقوق دلوائے جائیں اور جو ان حقوق کی راہ میں رکاوٹیں بنے یا انہیں غصب کرنے کی کوشش کریں' انہیں سزا دی جائیں' لیکن ہر طرف ناکامی کا سامنا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آج تک مسیحیوں نے کبھی ملک سے غداری کا سوچا تک بھی نہیں۔ کوئی مسیحی' جاسوس یا کسی غیر ملکی ایجنسی کا ایجنٹ ثابت نہیں ہوا۔ البتہ الزامات ضرور لگتے رہے ہیں۔ مسیحیوں نے کبھی علیحدہ وطن کا نعرہ نہیں لگایا اور ان کے کریڈٹ میں مسیحیوں کو مقدس امانت کے القاب سے نوازا جاتا ہے۔ آخر ہم کس کی امانت ہیں جنہیں ہمیں آخر ایک دن لوٹایا جائے گا؟ ایسی مبہم اصطلاحیں اب ختم ہونی چاہئیں۔ مسیحیوں نے "آزادی" کے ان پچاس برسوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہم پاکستان کے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ بنانے اور اس کا رنگ مذہبی لحاظ سے الگ الگ کرنے کی غرض سے قومی شناختی کارڈ کو مذہبی شناختی کارڈ بنانے کی کوششیں کی گئیں۔ یہ تو بھلا ہوا اقلیتوں کا جنہوں نے اس قومی یکجہتی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور کامیاب ہوئے۔ تجربات اور مشاہدات بتاتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتیں اور مسیحی خدا کی رحمت ہیں جو ہر اس فعل کی مذمت کرتے ہیں جو انسانی حقوق کی خلاف ورزی' جمہوری اصولوں کی نفی اور قومی یک جہتی کے فروغ کے رستے میں رکاوٹوں کے زمرے میں آتا ہے۔

ہمارے ملک میں مسلمانوں اور اقلیتوں میں مکمل ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے کوئی نمایاں کردار ادا نہیں کیا' ہونا یہ چاہیے تھا کہ اس معاملے میں بھی ہمارا میڈیا شروع دن سے ہی اپنی شاندار مثبت پالیسی وضع کرتا اور اپنا کردار ادا کرتے ہوئے لسانی' مذہبی اور فرقہ وارانہ تحریکوں کو نظر انداز کر کے انسانی بنیادی حقوق اور جمہوریت کی پاسدار تحریکوں کا ساتھ دیتا۔ قومی اخبارات عورتوں' بچوں اور شوبز وغیرہ کی طرح اقلیتوں کے لیے بھی ہفتے میں ایک دن خصوصی ایڈیشن شائع کرتے جس میں اقلیتوں کی خدمات' تقریبات اور مصروفیات کو کوریج دی جاتی۔ ہمارا الیکٹرانک میڈیا سال میں ایک دو بار کسی ایم این اے یا وزیر کبیر کے حوالے سے کسی مسیحی تہوار کے موقع پر چاپلوسی کروا کر یہ سمجھتا ہے کہ مسیحی اور اقلیتیں خوش ہوگئیں؟ یہ سراسر ناانصافی ہے۔ درسی اور تاریخی کتب میں بھی محض بادشاہوں کی حالات زندگی اور صرف اسلامی حکومتوں کے عروج وزوال کی داستانیں ہیں۔ ان میں بھی اقلیتوں اور عوام کا کچھ عمل دخل دیکھنے کو نہیں ملتا۔ غرضیکہ کھیل کا میدان ہو یا آرٹ و فن' زندگی کے کسی بھی شعبے میں اقلیتیں اپنا ٹیلنٹ کھل کر

نچھاور کرنے سے قاصر ہیں۔ اقلیتی لکھاری، دانش ور اور صحافی اپنے طور پر احساس محرومی میں ہیں کیونکہ جب انہیں ان کے حقوق نہیں ملیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ گھٹن تو محسوس کریں گے ہی!

پاکستان میں مسیحیوں کے بے شمار چکوک ہیں جہاں اکثریت میں مسیحی ہیں۔ کبھی اہل قلم ودانش کو وقت ملے تو وہ ان مسیحی چکوک کا دورہ کر کے دیکھیں کہ وہاں مسیحی اور مسلمان کتنے امن اور محبت سے رہتے ہیں۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا ایک ہے اور ان کے آپس میں نجی تعلقات ہیں۔ اس کے مقابلے میں جس گاؤں میں مسلمان اکثریت میں ہیں، وہاں مسیحیوں کو "چوہڑے" کہنا عام معمول کی بات ہے۔ بلکہ ایسی باتیں تو دارالخلافہ تک میں سننے میں آتی ہیں تو دیہاتوں یا عام شہروں سے کیسا تعجب؟

پاکستان میں ہر معاملے میں دوہرے معیار کا اندازہ اس بات سے ہی لگالیں کہ ہمارے ملک میں ہالی وڈ اور انڈین ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے مشکل اور پیچیدہ نام تو بچے بچے کو حفظ ہو چکے ہیں لیکن جب کسی پاکستانی غریب مسیحی کا انگریزی نام دفتروں میں کسی فائل پر نظر آجائے تو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا اور افسروں کی زبانوں سے انگریزی نام پھسلنا کوئی انہونی بات نہیں لگتی۔ اس بات کی تصدیق سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر سجاد علی شاہ صاحب نے بھی کی ہے جو ریکارڈ پر ہے کہ مسیحیوں اور دوسری اقلیتوں کو ابھی تک ان کے اصل عہدہ کے مطابق ملازمتیں نہیں مل سکیں اور نہ ہی انہیں ان کے دیگر حقوق ملے ہیں۔

ان گولڈن جوبلی تقاریب پر تمام محب وطن پاکستانیوں، اہل قلم ودانش، صحافیوں، شاعروں، مفکروں، روشن خیالوں، لبرل اور سیکولر سوچیں رکھنے والے ہم فکروں اور جمہوری رویوں کو فروغ دینے والوں کو چاہیے کہ گولڈن جوبلی تقریبات کو محض "جشن" کا نام دینے کی بجائے اپنے اپنے احتساب کا عمل بھی ساتھ ساتھ جاری رکھیں کہ ہم نے پاکستان کو کیا دیا؟ وہ کون سے کام ہیں جو گزشتہ پچاس سالوں میں ہم نہیں کر سکے جنہیں اب کرنا ہے۔

آئیے عہد کریں کہ وہ تمام کوتاہیاں جو ہم سے پچھلے پچاس برسوں میں سرزد ہوئی ہیں، ان کا ازالہ آئندہ بہتر خدمت کر کے کریں تا کہ ہمارا پاکستان واقعی خوشحال پاکستان کہلا سکے۔ اگر ہمارے ملک کے بعد آزاد ہونے والے کئی دوسرے ممالک اب ترقی یافتہ ملکوں کے قریب تر پہنچ چکے ہیں تو ہم پاکستانی قوم کس لحاظ سے کسی سے کم ہیں؟ پاکستان میں ہر قسم کے ذخائر پوشیدہ ہیں بس انہیں مزید ڈھونڈھنے اور بروقت اور صحیح جگہ استعمال میں لانے کی ضرورت ہے۔ یہی ترقی یافتہ کہلوانے کے ٹارگٹ کی سمت ہمارا پہلا جاندار قدم ہونا چاہیے۔